پنجابی زبان و ادب۔ نو آبادیاتی تناظر میں

ڈاکٹر محمد خاں اشرف

Dr. Muhammad Khan Ashraf
Associate Professor, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

ڈاکٹر عظمت رباب

Dr. Azmat Rubab

Lahore College For Women University, Lahore.

Abstract:
The historical evolution of Punjabi language presents very interesting phenomena of Colonial and Imperial aggressions and invasions of this area which is spread from Indus to Ganges and from Kashmir to Rajpootana. This area can be called the cradle of Punjabi culture and civilization, having varied manifestations in different regions due to local differences and physical distances. The Punjab presents a composite picture where both colonial as well as imperialistic aggressions took place. Its deeper study will show that from pre Vedic times to the present day its language, its people and population, its civilization, its culture and Socio religious landscape have been continuously changing and metamorphosing. This paper undertakes to illustrate the above over the spread centuries crossing over the ethnic religious cultural, geographical and historical fault-lines.

یہ درست ہے کہ کسی بھی زبان و ادب کے حوالے سے، تاریخی اعتبار سے، اس کے نو آبادیاتی تناظر کا کوئی تعین نہیں کیا جا سکتا۔ پنجابی زبان کا تاریخی ارتقا اس خطے کے تاریخی، جغرافیائی، سیاسی اور معاشی حالات کے حوالے سے ایک نہایت دلچسپ اور سبق آموز منظر پیش کرتا ہے۔ عالمی طاقتیں کمزور اقوام پر سیاسی غلبے کے بعد اس کے معاشی وسائل پر قابض ہو جاتی ہیں اور اس طرح ان کے معاشی، معاشرتی اور لسانی عوامل پر اس طرح اثر انداز ہوتی ہیں کہ ان کی ثقافت، طرزِ حیات، ان کے افکار و اعمال یہاں تک کہ ان کا مذہب تک بدل جاتا ہے اور حاکم و محکوم کا ایک رشتہ استوار ہو جاتا ہے ۔ یہ استعماری نظام کی بنیاد ہے اور یہ کوئی آج یا چند سو سال کی بات نہیں۔ تاریخ کے تناظر میں دیکھیں تو غالب و مغلوب،

حاکم و محکوم اور استحصال زدہ اور استحصال کرنے والوں کا یہ رشتہ تاریخ کے آغاز سے قائم ہے۔ یہ استعماری نظام ان اقوام اور معاشروں کے درمیان ایک ایسے تعلق کو جنم دیتا ہے جس میں محکوم قوم کی زبان، طرزِ حیات، ثقافت حاکم قوم سے بڑی شدت سے متاثر ہوتی ہیں کہ اکثر اوقات ان کی ماہیت قلب ہو جاتی ہے۔

اس تاریخی تناظر میں پنجابی زبان کا مطالعہ اس حقیقت کو واضح انداز سے پیش کرتا ہے۔ پنجابی زبان اس خطے کی زبان تھی جو فاتحین کی گزر گاہ ہی نہیں ان کا مسکن و مامن بھی رہا ہے۔ وہ ایک مستقل استعماری نظام کا شکار رہی ہے اور فکری، تخلیقی اور معاشرتی سطح پر اس سے شدید متاثر ہوئی ہے۔ اس کا کلچر، روایت، یہاں رہنے والوں کے فکری، تخلیقی اور ثقافتی رویے ان سب پر اس استعماری نظام نے اپنے اثرات مرتب کیے ہیں۔ انتہا تو یہ ہے کہ ان اثرات کے نتیجے میں پنجابی زبان کئی حصوں اور درجات میں بٹ کر رہ گئی ہے۔ ان میں دو حصے تو بہت نمایاں ہیں یعنی فارسی رسم الخط میں لکھی جانے والی پنجابی زبان مغربی پنجاب اور پاکستان میں مشمول حصوں پر مشتمل ہے اور گورمکھی رسم الخط میں لکھی جانے والی زبان جو مشرقی پنجاب اور بھارت میں شامل حصوں میں رائج ہے۔ یہ تغیر اور تفاوت اس قدر شدید ہے کہ تحریری سطح پر دونوں طرف کے عوام ایک دوسرے سے ابلاغ تک نہیں کر سکتے اور بول چال کی زبان کے ذخیرۂ الفاظ میں بھی اس قدر تبدیلیاں ہو چکی ہیں کہ ابلاغ میں مشکلات ناقابلِ عبور ہیں۔ پنجابی زبان و ادب کا اس نقطۂ نظر سے مطالعہ نہایت اہم ہے۔

سترھویں، اٹھارویں اور انیسویں صدی میں یورپ کی اکثر اقوام نے تیسری دنیا کے ممالک میں اپنی فوجی اور سائنسی برتری کی بنیاد پر نو آبادیاں(١) قائم کیں اور انھیں ان اقوام کے معاشی اور سیاسی استحصال کے لیے استعمال کیا۔ بیسویں صدی میں ان بیشتر محکوم اقوام نے آزادی حاصل کی۔ ان نو آبادیوں میں ایک مخصوص کلچر نے رواج پایا۔ اس نو آبادیاتی ادب اور کلچر کا مطالعہ آج کے تنقیدی اور تحقیقی مطالعات کا ایک پسندیدہ فیشن بن چکا ہے۔ ابتداً یہ مطالعہ برطانیہ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں سے شروع ہوا اور مغربی تنقید و تحقیق کے قارئین اور طابعین نے فوری طور پر اسے اپنا کر اپنے ماحول اور ادب کے مطالعے میں استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔

نو آبادیاتی نقطۂ نظر سے ادب اور کلچر کا مطالعہ یقیناً ایک بہت ہی بصیرت افروز اور عبرت آموز مطالعہ ہے۔ اس طرح کا مطالعہ گو ہر عصر میں مختلف زاویوں سے کیا جاتا رہا ہے جیسے اردو زبان و ادب پر انگریزی کا اثر وغیرہ۔ لیکن مجموعی طور پر ایک منظم نقطۂ نظر سے یہ مطالعہ جدید عہد کی پیداوار اور نہایت ہی فکر انگیز ہے۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ اسے مغربی حوالوں اور حدود سے نکال کر اپنے ماحول اور نقطۂ نظر کے مطابق اختیار کیا جائے تاکہ آزادانہ اور اپنے ماحول اور کلچر کے حوالے سے ایسے نتائج حاصل ہوں جو ہم اپنے ادب اور تنقید و تحقیق کی تفہیم میں استعمال کر سکیں۔

کہا جاتا ہے کہ تاریخی طور پر نو آبادیاتی اصطلاح کا کوئی تعین نہیں کیا جا سکتا۔ یہ شاید تحقیقی حوالے سے درست ہو لیکن تاریخی حوالے سے ہرگز نہیں۔ اگر مطلق طور پر دیکھیں تو انسانی تاریخ کی ابتدا ہی سے نو آبادیاتی کلچر کی ابتدا ہو

چکی تھی۔ جب بھی کسی قوم اور گروہ نے دوسری قوم اور گروہ پر سیاسی غلبہ حاصل کیا تو اس نے پہلے تو محکوم قوم کے معاشی وسائل پر قبضہ کیا۔ یہ قبضہ زمین، خطہ، ذرائع پیداوار، آبادیوں اور قلعہ بندیوں پر قبضے سے بھی بڑھ کر ان کی زندگی کے ہر پہلو، ان کے مال و اسباب اور یہاں تک محکوم قوم کے افراد کو غلام اور لونڈی بنانے تک محیط ہو جاتا تھا۔ اس طرح حاکم قوم محکوم کے معاشی وسائل پر ہی نہیں سیاسی، تعلیمی، لسانی اور نسلی تمام میدانوں پر قبضہ کر کے اس کے طریقِ حیات کو ختم اور نیا طریقۂ حیات نافذ کر دیتی تھی۔ یہی نو آبادیاتی نظام کی خصوصیت تھی۔ ہر دور اور عہد میں حاکم و محکوم کا یہ تعلق جاری رہا اور آج تک جاری ہے۔[۲]

جدید عہد میں البتہ جب سے قومی آزادی اور جمہوری تحریکوں کا عروج شروع ہوا ہے اور ہر قوم کے اپنے حقوق اور اس کے استحقاق کو اہمیت حاصل ہوئی ہے اس مطالعے اور تعلق نے ایک نیا رخ اختیار کر لیا ہے۔ اس عہد کو اگر کوئی متعین تاریخ دینا ہو تو اس کو کولمبس کے امریکہ دریافت یا واسکوڈے گاما کے ہندوستان کے راستے کی دریافت کی تاریخ دی جا سکتی ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب یورپی اقوام نے دیگر اقوام پر سیاسی غلبہ اس لیے حاصل کرنا شروع کیا تھا تاکہ وہ اپنے معاشی مقاصد کو حاصل کر سکیں۔ ان کو اپنے پیداواری مال کے لیے بطور منڈی استعمال کریں اور محکوم اقوام کے پیدا شدہ خام مال کو سستا حاصل کر کے اپنے کارخانے اور اپنے عوام کی خوش حالی کا باعث بنیں۔ اس طرح سے سامراج کا نیا تصور وجود میں آیا جو کئی صدیوں تک جاری رہا۔

یہ تصور معاشی لحاظ سے قدیم "نو آبادیاتی "تصور سے مختلف تھا اس لیے اس کو "نو آبادیاتی" کی بجائے "استعماری" تعلق کا نام دیا جانا چاہیے۔ قدیم نو آبادیاتی نظام میں محکوم کے علاقوں پر قبضہ کر کے حاکم قوم اپنی "نو آبادیاں" قائم کرتی تھی۔ اس طرح اس کے معاشی، سیاسی اور مادی تمام وسائل پر قبضہ کرتی تھی۔ استعماری تصور میں مقصود معاشی استحصال تھا۔ برطانیہ کی امریکہ میں قائم نو آبادیوں اور ہندوستان پر برطانیہ کے قبضے میں یہی بنیادی فرق ہے۔ بیسویں صدی میں جمہوریت نے فروغ حاصل کیا۔ بیسویں صدی کے نصف تک دنیا سے نو آبادی کا روایتی تصور اور کلچر ختم ہو گیا۔ زیادہ تر ممالک نے آزادی حاصل کر لی، اقوام متحدہ کا چارٹر وجود میں آ گیا لیکن سامراجی کلچر ختم نہیں ہو سکا۔ اس نے ایک نئی شکل اختیار کر لی اور ترقی یافتہ ممالک کی بین الاقوامی کمپنیوں نے ترقی پذیر ممالک کے وسائل پر قبضہ کا نیا طریقہ اختیار کیا جس کو نو آبادی کہنا درست نہیں لیکن یہ بھی سامراج کی ایک صورت ہے۔ یہ صورت حال اب تک جاری و ساری ہے گو اس کی ظاہری شکل بدل گئی ہے۔[۳]

سیاسی غلبے اور معاشی استحصال کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ مغلوب قوم صرف انھی میدانوں میں محکوم نہیں ہوئی بلکہ اس کے اثرات محکوم قوم کے تعلیمی، لسانی، ثقافتی یہاں تک کہ مذہبی طرزِ زندگی پر بھی مرتب ہوئے۔ ان اثرات کے نتیجے میں محکوم قوم کے اندر آمیزش اور آویزش کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوا جس کا اظہار ان کے ادب اور

تخلیقی فنون میں بھی ظاہر ہوا۔

> ”تاریخ کا ہشت پہلو مظہر مختلف زمانوں اور مختلف قوموں میں مختلف اور منفرد انداز میں ظہور کرتا ہے۔ مابعد نو آبادیات تاریخی عمل کے اسی مختلف اور منفرد ظہور کے انکشاف کو اپنا مطمح نظر بناتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں مابعد نو آبادی مطالعہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ نو آبادیات ایک ایسا تاریخی عہد ہے جو محض یورپی نسل کی ایشیائی اور افریقی اقوام پر سیاسی حکمرانی کا عہد نہیں ہے۔ اسے ایشیائی و افریقی قوموں کی فقط محکومیت اور استحصال سے بھی عبارت قرار نہیں دیا جا سکتا یعنی اس تاریخی عہد کی ہشت پہلوئی حقیقت کو محض ایک نسل کی سیاسی برتری اور دوسری کی سیاسی غلامی سے گرفت میں نہیں لیا جا سکتا۔“(۴)

اس پس منظر میں دیکھیں تو پنجاب اور پنجابی زبان و ادب پر ابتدا ہی سے نو آبادیاتی نظام کا تسلط رہا ہے۔ پنجاب کی تہذیب کا شمار دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں میں ہوتا ہے۔ ماہرینِ آثارِ قدیم نے پتا چلایا ہے کہ ہڑپا اور روپڑ کی کھدائیوں سے پتا چلتا ہے کہ چار ہزار سال قبل مسیح کے اواخر تک جب کہ دنیا کے بہت سے ممالک ابھی تاریک دور سے ہی گزر رہے تھے ۔ پنجاب میں ایک ایسی ترقی یافتہ تہذیب پھل پھول رہی تھی جس کے شہروں میں اینٹوں سے بنی ہوئی ایسی عمارتیں تھیں جن کی تعمیر میں انتہائی مہارت اور منصوبہ بندی سے کام کیا گیا تھا اور یہاں ایک شاندار تہذیب کا دور دورہ تھا۔ پنجاب کی قدامت کے بارے میں حمید اللہ لکھتے ہیں:

> ”اس کی تہذیب کو دنیا کی قدیم ترین تہذیب ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یعنی سرزمین پنجاب روئے زمین کے قدیم خطوں میں شمار ہوتی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پنجاب میں پوٹھوہار کا علاقہ دنیا میں انسان کی پہلی جنم بھومی اور پہلا گھر ہے۔ محققین کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ اولین آدم نے اسی سرسبز و شاداب خطۂ زمین کو اپنا مسکن بنایا تھا۔ تاریخی لحاظ سے قدیم ترین معاشرت کے آثار پوٹھوہار سے ملتے ہیں۔ راولپنڈی کے قریب دریائے سواں کے ساتھ ساتھ بعض مقامات سے پتھر کے ایسے اوزار دستیاب ہوئے ہیں جن کی تاریخ پانچ لاکھ سال سے بھی زیادہ بتائی جاتی ہے۔“(۵)

آریاؤں کی آمد و حملوں نے اس تہذیب کو تباہ و برباد کر دیا اور وہ یہاں پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ آریائوں کی بولی جسے بعد میں ”ویدک“ کہا گیا سنسکرت کی ابتدائی شکل تھی۔ انھوں نے سنسکرت کو رواج دیا اور یہاں ہی ”رگ وید“ کو مرتب کیا۔ آریائوں نے ہڑپا تہذیب کا خاتمہ کر دیا۔ پنجاب بار بار غیر ملکی حملوں کا نشانہ بنتا رہا۔ ایرانی بادشاہ،

یونانی سکندر اعظم، چندر گپت موریا اور اشوک کی حکومتوں کے بعد گیارہویں صدی عیسوی سے اٹھارویں صدی عیسوی تک پنجاب پر مسلمانوں کی حکومت رہی۔ ۷۱۲ء میں محمد بن قاسم نے سندھ پر قبضہ کیا۔ ۸۳۰ء میں کابل کی فتح کے بعد بزرگانِ دینِ اسلام کی آمد اس خطے میں ہوئی۔ لسانی نقطہ نظر سے دیکھیں تو غزنوی خاندان کے حملوں سے اس کا آغاز ہوا۔ ۲۲ سال تک پنجاب پر غزنوی حکومت قائم رہی جس کا دارالسلطنت لاہور تھا۔ یہی وہ عہد ہے جس میں موجودہ پنجابی نئے رنگ روپ سے ظاہر ہونا شروع ہوئی۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے محمد غوری، قطب الدین ایبک، خاندانِ غلاماں، خاندانِ خلجی، خاندانِ تغلق، خاندانِ سادات اور خاندانِ لودھی نے پنجاب پر حکومت کی۔ ۱۵۲۶ء میں ظہیر الدین بابر نے پانی پت کے مقام پر ابراہیم لودھی کو شکست دی اور مغلیہ سلطنت قائم کی جو ۱۸۵۷ء تک قائم رہی مغلیہ دور میں پنجابی زبان کو بہت عروج ملا۔ آخر کار پنجاب پر مہاراجہ رنجیت سنگھ کی حکومت قائم ہوئی لیکن ۱۸۳۹ء میں اس کے انتقال کے بعد پنجاب میں ابتری و بدامنی پھیل گئی۔ ۱۸۴۹ء میں پنجاب پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا جو تقسیم برصغیر تک جاری رہا۔ مسلمان بادشاہوں کی سرکاری زبان فارسی تھی جس نے قدیم پنجابی پر گہرا اثر ڈالا اور موجودہ پنجابی اور اردو کو جنم دیا۔ یعنی پنجابی زبان غیر ملکی حملہ آوروں کی زبانوں سے متاثر ہوئی اور کئی ارتقائی منازل طے کرنے کے بعد موجودہ شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ محمد بن قاسم نے سندھ اور ملتان کے بہت سے علاقے فتح کر کے اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی، اس دور میں صوفیائے کرام نے تبلیغِ اسلام کے لیے مقامی زبانوں کا سہارا لیا اور اپنی بات کے ابلاغ کے لیے شعر کو ذریعہ بنایا۔ حضرت علی ہجویری اور شیخ اسمٰعیل لاہوری نے مقامی زبان میں اسلام کی تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا چنانچہ خانقاہوں اور چھوٹے مدرسوں سے پنجابی ادب کا آغاز ہوا اور دینی کتب کا پنجابی زبان میں ترجمہ کیا گیا، عربی اور فارسی الفاظ پنجابی زبان میں شامل ہوئے اور اس کا دائرہ کار وسیع ہو گیا۔ عربی فارسی کتب کے پنجابی میں ترجمے کیے گئے۔

مسلمانوں نے پنجابی زبان کے لیے فارسی رسم الخط اختیار کیا جبکہ سکھوں نے گورمکھی رسم الخط کو اپنایا۔ سکھوں کے ہاں اسے مذہبی تقدس کا درجہ حاصل ہو گیا کیونکہ اسے نانک پنتھ کے دوسرے گرو انگدیو نے اختراع کیا اور اسے گورمکھی کا نام دیا، گرنتھ صاحب گورمکھی میں مرتب ہوا تھا لہٰذا اس رسم الخط نے ایک قومی علامت اختیار کر لی ہے اور مشرقی پنجاب میں ہندی سنسکرت زدہ پنجابی گورمکھی رسم الخط میں ہے جسے سکھی پنجابی کہا گیا جبکہ مغربی پنجاب یعنی پاکستان میں فارسی رسم الخط میں لکھی جانے والی پنجابی کو مسلمانی پنجابی کا نام دیا گیا ہے۔ سکھوں کی زبان اسلامی اثرات سے دور ہوتی گئی اور تقسیمِ برصغیر کے بعد رسم الخط کے اختلاف کی وجہ سے مشرقی اور مغربی پنجاب کی زبانیں ایک دوسرے سے کٹ کر رہ گئیں۔

انگریزوں نے ۱۸۴۹ء میں پنجاب پر مکمل طور پر قبضہ کر لیا۔ اس کے زیرِ اثر سیاسی اور معاشرتی حالات میں بڑی تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ دفتری زبان فارسی کے بجائے انگریزی قرار پائی۔ اس کے ساتھ ساتھ اردو کو بھی عدالتی، دفتری اور

تعلیمی زبان بنایا گیا۔ اسی دور میں ہندوئوں نے اردو کی مخالفت شروع کر دی۔ ردِ عمل کے طور پر مسلمانوں نے اسے اپنی قومی و ملی زبان کا درجہ دیا، نتیجے کے طور پر پنجابی کی طرف دلچسپی کم ہو گئی۔ لاہور جو پنجابیوں اور پنجابی کا مرکز تھا اب اردو زبان کا مرکز بن گیا۔ اردو کے اخبارات، رسائل، کتب کثیر تعداد میں جاری کیے جانے لگے۔ اردو کا اثر پنجابی پر بھی پڑا اور اردو کے متعدد الفاظ و محاورات پنجابی میں شامل ہو گئے۔ اردو مشاعروں کی طرز پر پنجابی مشاعرے منعقد کرائے جانے لگے۔ انگریزی کے اثرات بھی اردو کے ذریعے پنجابی زبان پر پڑے۔ ڈاکٹر صفدر علی شاہ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> "The Punjab experienced many cultural invasions from pre-Vedic to modern times. These were largely oriental influences except for the British imperialism which exposed the region to western culture and literature."(6)

اس دور میں رومانوی شاعری کا دور دورہ تھا۔ اردو میں اقبال، خوشی محمد ناظر، برج نارائن چکبست، عظمت اللہ خاں، نادر کاکوروی، حفیظ جالندھری، اختر شیرانی اور جوش ملیح آبادی رومانوی تحریک کے نمایاں شعرا ہیں۔ پنجابی زبان کے شعرا میں حافظ اللہ بخش پیارے صاحب، میاں بردے خان بردا، کرم دین امرتسری، غلام حسین گاموں خان، استاد رمضان ہمدم، میاں چراغ دین عشق، احمد علی سائیں، اور دیگر شامل ہیں۔

اس زمانے میں سیاسی شاعری نے بھی جنم لیا۔ عوامی تحریکات کے ساتھ ساتھ سیاسی شاعری کو بھی فروغ حاصل ہوتا گیا اور شعرا شعر سے سیاسی پراپیگنڈہ کا کام بھی لیتے رہے۔ پہلی عالمی جنگ سے کچھ عرصہ پہلے لائل پور کی نئی آبادکاری کے سلسلے میں برطانوی حکومت نے ایک نیا قانون بنایا جس پر کاشت کاروں اور زمین داروں نے احتجاج کیا۔ اس احتجاج نے پھر عوامی تحریک کی شکل اختیار کر لی جس کا نام "کسان تحریک ١٩٠٧ء" تھا۔ بہت سے نظمیں لکھی گئیں جن میں سے ایک نظم کا یہ مصرعہ اس تحریک کا نعرہ اور مقصد بن گیا:

پگڑی سنبھال او جٹا، پگڑی سنبھال اوئے

لالہ راجپت رائے، سردار اجیت سنگھ اور چودھری سر شہاب الدین نے اس تحریک کو چلایا۔ پہلی عالمی جنگ کے خاتمے پر پنجاب میں "تحریکِ خلافت کا آغاز ہوا۔ پنجابی شعرا نے اس تقویت دینے کے لیے اشعار سے کام لیا۔ یہ مصرع زبان زد عام تھا:

مصطفیٰ پاشا کمال وے، تیریاں دور بلائیاں

اور:

انور موڑ مہار　　وے　　سانوں تیریاں لوڑاں

تیرے ہوندے یار وے سانوں لٹ لیا چوراں

حادثہ جلیانوالہ باغ، غدر پارٹی، اکالی لہر، سنٹرل پنجابی سبھا، تحریک عدم تعاون، تحریک ہندوستان چھوڑ دو اور بالخصوص تحریک پاکستان کے دوران پنجابی شعروں اور نظموں کا عام استعمال کیا گیا۔ الغرض موجودہ پنجابی زبان میں ہندی، عربی، فارسی، ترکی اور انگریزی کا عنصر موجود ہے۔ ان زبانوں کے الفاظ پنجابی زبان میں اس طرح شامل ہو گئے ہیں کہ وہ اسی زبان کا حصہ بن گئے ہیں۔ زبانوں کا یہ اشتراک و ملاپ نو آبادیاتی نظام اور اس کے اثرات ہی کا نتیجہ ہے۔

مابعد نو آبادیاتی مطالعات تاریخ کو اس کثیر الجہتی انداز سے زیر بحث لاتے ہیں اور ہندوستان کی تاریخ میں مسلم اقوام کے ورود کو اس نقطۂ نظر سے جانچنا چاہیے۔ انسانی تاریخ کے ہشت پہلو مظہر کا اس طرح کا مطالعہ بہت ہی قابلِ قدر اور بصیرت افروز ہو گا اور ہمارے ادب و ثقافت میں بہت سے ایسے تضادات و تصادمات کی وضاحت کے کام بھی آئے گا۔ لہٰذا مابعد نو آبادی مطالعات کو صرف گذشتہ تین صدیوں کی "نو آبادیاتی تاریخ" تک محدود نہیں رکھنا چاہیے، ساری انسانی تاریخ کو اس نقطۂ نظر سے جانچنا چاہیے۔ مغربی یورپی اقوام کا پس ماندہ اقوام پر غلبہ صرف گذشتہ تین چار صدیوں تک محیط ہے لیکن نو آبادیاتی کلچر اور استعماری نظام کی روایت اس وقت سے جاری ہے جب سے تاریخ کو ضبطِ تحریر میں لایا جانا شروع کیا گیا۔ ہندوستان کی تاریخ اس سلسلے میں نہایت ہی دلچسپ منظر پیش کرتی ہے اور پنجابی اور اردو زبان کا آغاز و ارتقا اس کا ایک خوبصورت، لیکن 'جارح' مظہر ہے۔

حوالہ جات و حواشی

۱۔ نو آبادی ایک مبہم اصطلاح ہے۔ یہ اردو میں انگریزی لفظ Colony کا ترجمہ ہے لیکن کالونی کا درست مطلب آبادی ہے نہ کہ نو آبادی۔ اردو تنقید نے اسے اردو صحافت سے اختیار کیا۔ اب یہ انھی معنوں میں رائج ہے۔ دیکھیے کنسائز آکسفورڈ ڈکشنری

۲۔ ناصر عباس نیر، ڈاکٹر، مابعد نو آبادیات اردو کے تناظر میں، کراچی: آکسفرڈ، ۲۰۱۳ء، ص: ۳

3. Mojumdar-others, An Advanced History of India, P:2

۴۔ ناصر عباس نیر، ایضاً، ص:2-3

۵۔ حمید اللہ ہاشمی،، مختصر تاریخ زبان و ادب۔ پنجابی، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم، ۲۰۱۲ء، ص: ۲۲

6. Safdar Ali Shah, Dr., Colonialism English and Punjabi, Islamabad: Nust Publishers, 2015, P:1